۳۰

بے جا محبت اور غضب سے بچو

(فرمودہ ۴/نومبر ۱۹۲۷ء)

تشہد تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

سورۃ فاتحہ جہاں ہمیں اور بہت سے سبق سکھاتی ہے وہاں ہمیں اس سے یہ نکتہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صداقت اور راستی کے چھوڑنے کے دنیا میں دو ہی باعث ہوا کرتے ہیں۔ اور وہ دو باعث کینہ اور محبت ہیں۔ یا تو انسان کینہ کی وجہ سے راستی اور صداقت کو چھوڑتا ہے یا محبت کی وجہ سے۔ انسان کو سامنے نظر آنے والے یہی دو سبب ہوتے ہیں۔ ان کے پیچھے اور اخلاقی بواعث ہوتے ہیں جو حقیقت میں کینہ اور محبت کے موجبات ہوا کرتے ہیں۔ مگر سامنے آنے والے اور نمایاں طور پر سامنے آنے والے یہی باعث ہوتے ہیں کہ یا تو انسان کسی سے کسی سبب سے ناراض ہو جاتا ہے اور ناراضگی کی وجہ بڑھاتے بڑھاتے اس حد تک لے جاتا ہے کہ اس کی عقل بالکل ماری جاتی ہے۔ اس کے لئے ایک جگہ ٹھہرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ سیدھے راستہ پر چلنا اس کے لئے ناممکن ہو جاتا ہے۔ وقار اس کے ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔ سنجیدگی چھوٹ جاتی ہے اور وہ دیوانے کتے کی طرح جسے اپنی دیوانگی کی حالت میں دنیا کے تمام مقاصد میں سے بہترین مقصد کاٹنا نظر آتا ہے۔ اسی طرح اس کے سامنے بھی ایک ہی مقصد رہ جاتا ہے اور وہ یہ کہ کاٹے۔ گویا اس کے نزدیک بہترین کام دوسروں کو قتل کرنا مارنا اور نقصان پہنچانا ہوتا ہے۔ یہ حالت کبھی ترقی کرتے کرتے جنون کی حد تک پہنچ جاتی ہے کبھی جنون تو نہیں آتا مگر یہ حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ ابھی امریکہ میں ایک بہت بڑا آدمی پکڑا گیا ہے اس کے متعلق لکھا ہے کہ اسے اس بات کا جنون تھا کہ لوگوں کو قتل کرے خصوصاً عورتوں کو۔ اس نے کئی عورتوں اور لڑکیوں کو قتل کیا۔ قتل کرنے کی کوئی وجہ اور باعث نہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کسی بات پر کسی وقت اس کا غضب بھڑکا۔ کسی عورت سے معلوم ہوتا

ہے اسے صدمہ پہنچا جو بڑھتے بڑھتے اس عورت تک ہی محدود نہ رہا بلکہ اوروں تک بھی پہنچا۔ اور وہ ایک لمبے عرصہ تک بڑی ہوشیاری سے قتل کرتا رہا۔ تو غضب ترقی کرتے کرتے اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ انسان یہ نہیں سمجھ سکتا کہ اس کا نقصان مجھے کیا پہنچے گا اور دوسروں کو کیا۔ ابو جہل کے متعلق آتا ہے اس کی مجلس میں رسول کریم ﷺ کے متعلق یہ ذکر آتا کہ ان کی باتیں ایسی ہیں جو سوچنے کے قابل ہیں۔ اس قسم کی گفتگو پر اس نے جھنجلا کر کہا بات تو ٹھیک ہے مگر یہ تو بتاؤ میرے باپ دادا نے کب اس کے باپ دادوں کی غلامی کی کہ آج ہم کرنے لگ جائیں۔ رسول کریم ﷺ کا دعویٰ بڑا شاعر ہونے کا یا بڑا عالم ہونے کا نہ تھا کہ آپ کے فن کا انکار معمولی بات ہوتی۔ خدا کی طرف سے آنے کا آپ کو دعویٰ تھا۔ اس کا انکار معمولی بات نہ تھی مگر باوجود اس کے کہ اس انکار میں اسے جہنم نظر آتا تھا۔ اور آپ کا انکار خدا کا انکار تھا مگر اس نے کر دیا۔ وجہ یہ کہ اسے رسول کریم ﷺ سے کینہ اور بغض تھا۔ وہ کہتا تھا محمد (ﷺ) کیوں بڑھ گیا۔ اس کی خلوت کی گھڑیوں میں اور اس کے علیحدہ بیٹھے ہونے پر جب رسول کریم ﷺ کا ذکر آتا تو اس کا دل محسوس کرتا تھا کہ محمد ﷺ کے مقابلہ میں مَیں حق بجانب نہیں ہوں۔ مگر پھر اس پر کینہ اور دشمنی غالب آجاتی اور وہ مخالفت کرنے لگ جاتا تھا اور جھوٹا قرار دیتا۔ جہاں اس کا دل کسی کسی وقت کہہ اٹھتا تھا کہ محمد ﷺ کی صداقت کے ایسے نشان ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا وہاں اس کا غصہ اور کینہ عقل پر اتنا غالب آچکا تھا کہ اس نے بدر میں مباہلہ کیا اور کہا اے خدا اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر پتھر برسا۔ خدا نے اس کی آواز سن لی اور اس پر پتھر ہی برسے۔ (الانفال : ۳۳) مگر یہ ابو جہل وہی تھا جس نے اپنی خاص مجلس میں کہا تھا۔ محمد (ﷺ) باتیں تو سچی کہتا ہے مگر ہمارے باپ دادا نے کب اس کے باپ دادا کی غلامی کی ہے کہ ہم اس کی باتیں مان لیں۔ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ یہی انسان سب کچھ بھلا کر اور تمام ان کیفیات کو چھوڑ کر جو اس کے دل میں رسول کریم ﷺ کی سچائی کے متعلق پیدا ہوئی تھیں۔ مقابلہ کے لئے کھڑا ہو گیا اور مقابلہ بھی معمولی نہیں۔ انسانوں کے سامنے نہیں بلکہ خدا کے سامنے کہنے لگا کہ اگر یہ سچا ہے تو ہم پر پتھر برسا۔ کیا یہ بظاہر جنون کی حالت نہیں ہے۔ دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا یہ کہ کہیں یہ روایت کہ کبھی کبھی ابو جہل کے دل میں رسول کریم ﷺ کی صداقت کا خیال آجاتا تھا جھوٹی ہے یا پھر یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ سے مباہلہ کرنے کا جو ذکر آتا ہے وہ غلط ہے۔ قرآن کریم میں اشارتاً یہ ذکر ہے نام نہیں لیا گیا اس لئے کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس نے مباہلہ نہیں کیا ہو گا لیکن قرآن کریم سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ کفار میں

سے ایسے لوگ تھے جو رسول کریم ﷺ کی صداقت کی تصدیق کرتے تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مباہلہ کیا گیا اور کہا گیا اگر یہ سچا رسول ہے تو ہم پر پتھر برسا۔ اگر یہ رسول سچا ہے تو ہم پر وبال آئے۔ یہ دونوں حالتیں بتاتی ہیں کہ ایسے لوگ تھے جن میں یہ دونوں کیفیتیں پائی جاتی تھیں۔ اس صورت میں ابو جہل کی حالت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ روایت سے دونوں باتیں ابو جہل پر چسپاں ہوتی ہیں۔ پھر کیا عجیب بات ہے کہ ابو جہل اپنی خاص مجلس میں تو رسول کریم ﷺ کی صداقت کا اقرار کرتا ہے مگر لڑائی اور جنگ کے میدان میں خدا کے سامنے کہتا ہے اگر یہ رسول سچا ہے تو مجھ پر وبال نازل ہو۔ ایک شخص میں ان دونوں کیفیتوں کے جمع ہونے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اس کی غضب کی حالت بڑھتے بڑھتے اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ وہ نہیں دیکھتا تھا کہ اس کا کیا انجام ہو گا۔ اور وہ خدا کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ حالانکہ اسے رسول کریم ﷺ کے متعلق وہ عرفان حاصل تھا جو ایک کافر کو ہو سکتا ہے۔ پھر قرآن سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان محبت میں بھی ایسا ہی کرتا ہے۔ وہ دوسرے کی محبت میں ایسا پھسل جاتا ہے کہ تحت الثریٰ میں جاگرتا ہے۔ اس مرض میں کمزور ایمان والے یا منافق اور دشمن ہی مبتلا نہیں ہوتے بلکہ بعض اخلاص رکھنے والوں کو بھی ٹھوکر لگ جاتی ہے۔ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں عبداللہ بن ابی سلول اور بعض دوسرے منافقوں نے حضرت عائشہؓ پر الزام لگایا جس کی خدا تعالیٰ نے بریت کی۔ مگر وہ بعد میں ہوئی۔ درمیان میں ایسا وقت آیا جب اعتراض پھیلنے لگے۔ آخر رسول کریم ﷺ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں منافقوں کی ایذاء رسانی کا ذکر تھا۔ اس وقت کچھ لوگ کھڑے ہو گئے۔ جو عبداللہ بن ابی کی قوم کے نہ تھے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ایسا شخص ہماری قوم سے ہے تو آپ ہمیں بتائیں تاکہ ہم اسے سزا دیں اور اگر کسی دوسری قوم سے ہے تو بھی بتائیں اسے بھی ہم سزا دیں گے۔ اس وقت مجلس میں منافق نہیں بلکہ مومن بیٹھے تھے۔ مگر ان میں عبداللہ بن ابی بن سلول کی قوم کے لوگ تھے۔ جن کو اس سے محبت تھی۔ اس وقت انہیں یہ خیال نہ آیا کہ رسول کریم ﷺ کی تکلیف کا سوال ہے اور حضرت عائشہؓ کی عزت کا سوال ہے۔ اس وقت انھیں یہی بات یاد رہ گئی کہ ہمارے سردار کے خلاف کیوں کچھ کہا گیا ہے۔ اس وجہ سے تلواریں کھینچ کر کھڑے ہو گئے۔ اور کہنے لگے۔ کون ہے جو ہماری قوم کے آدمی کو سزا دے اس پر نقشہ ہی بالکل بدل گیا آخر رسول کریم ﷺ نے ان کو ٹھنڈا کیا[1] اس سے معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ اس وقت عبداللہ بن ابی بن سلول کا ذکر تھا۔ اور وہ لوگ اس سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے اس کی محبت کا

سوال پیدا ہو گیا۔ اس وقت اگر رسول کریم ﷺ درمیان میں نہ پڑ جاتے تو کئی مسلمان مرتد ہو جاتے۔ اور کئی ایک جو ایمان کی موت مرے نفاق کی موت مرتے۔ ایسا کیوں ہوتا؟ اس لئے کہ ان لوگوں نے محبت کی خاطر یہ نہ دیکھا کہ حق کیا ہے اور ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ پس دنیا میں دو ہی چیزیں راستی سے پھیرنے کا موجب ہوتی ہیں۔ یا تو انتہائی بغض یا پھر انتہائی محبت۔ انتہائی بغض بسا اوقات معمولی واقعہ سے پیدا ہو جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے وقت دیکھو کتنے معمولی واقعہ سے بغض بڑھا۔ جس نے عالم اسلامی کو کتنا بڑا نقصان پہنچایا۔ میں سمجھتا ہوں اس واقعہ کا اثر اب تک چلتا جا رہا ہے۔ حضرت عمرؓ کے وقت ایک مقدمہ آپ کے پاس آیا۔ کسی شخص کا غلام کماتا بہت تھا لیکن مالک کو دیتا کم تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس غلام کو بلایا اور اسے کہا مالک کو زیادہ دیا کرے۔ اس وقت چونکہ پیشہ ور کم ہوتے تھے۔ اس لئے لوہاروں اور نجاروں کی بڑی قدر ہوتی تھی۔ وہ غلام آٹا پیسنے کی چکی بنایا کرتا تھا۔ اور اس طرح کافی کماتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ساڑھے تین آنے اس کے ذمہ لگا دیئے کہ مالک کو ادا کیا کرے یہ کتنی قلیل رقم ہے۔ مگر اس کا خیال تھا کہ حضرت عمرؓ نے غلط فیصلہ کیا ہے۔ اس پر اس کے دل میں بغض بڑھنا شروع ہوا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے اسے کہا ہمیں بھی چکی بنا دو۔ اس پر کہنے لگا ایسی چکی بنا دوں گا جو خوب چلے گی۔ یہ سن کر کسی نے حضرت عمرؓ سے کہا آپ کو دھمکی دے رہا ہے۔ آپ نے کہا۔ الفاظ سے تو یہ بات ظاہر نہیں ہوتی۔ اس نے کہا۔ لہجہ دھمکی آمیز تھا۔ آخر ایک دن حضرت عمرؓ نماز پڑھ رہے تھے کہ اس غلام نے آپ کو خنجر مار کر قتل کر دیا۔[1] وہ عمرؓ جو کروڑوں انسانوں کا بادشاہ تھا۔ جو بہت وسیع مملکت کا حکمران تھا۔ جو مسلمانوں کا بہترین راہنما تھا۔ ساڑھے تین آنے پر مار دیا گیا۔ مگر بات یہ ہے جن کی طبیعت میں بغض اور کینہ ہوتا ہے۔ وہ ساڑھے تین آنے یا دو آنے نہیں دیکھتے۔ وہ اپنی پیاس بجھانا چاہتے ہیں۔ ان کی طبیعت بغض کے لئے وقف ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں وہ نہیں دیکھتے کہ ہمارے لئے اور دوسروں کے لئے کیا نتیجہ ہوگا۔ حضرت عمرؓ کے قاتل سے جب دریافت کیا گیا کہ تونے یہ سفاکانہ فعل کیوں کیا تو اس نے کہا انہوں نے میرے خلاف فیصلہ کیا تھا۔ میں نے اس کا بدلہ لیا ہے۔ میں نے اس دردناک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے۔ اس کا اسلام پر آج تک اثر ہے۔ اور وہ اس طرح کہ گو موت ہر وقت لگی ہوتی ہے۔ مگر ایسے وقت میں موت کے آنے کا خیال نہیں کیا جاتا۔ جب قویٰ مضبوط ہوں۔ لیکن جب قویٰ کمزور ہوں۔ اور صحت انحطاط کی طرف ہو۔ تو لوگوں کے ذہن خود بخود آئندہ انتظام کے متعلق سوچنا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے اس بارے میں باتیں نہیں

کرتے۔ مگر خود بخود رَو ایسی پیدا ہو جاتی ہے جو آئندہ انتظام کے متعلق غور کرنے کی تحریک کرتی ہے۔ اس وجہ سے جب امام فوت ہو تو لوگ چوکس ہوتے ہیں۔ چونکہ حضرت عمرؓ کے قویٰ مضبوط تھے۔ گو ان کی عمر ۶۳ سال کی ہو چکی تھی۔ لیکن صحابہ کے ذہن میں یہ نہ تھا کہ حضرت عمرؓ ان سے جلدی جدا ہو جائیں گے۔ اس وجہ سے وہ آئندہ انتظام کے متعلق بالکل بے خبر تھے کہ یک دم حضرت عمرؓ کی وفات کی مصیبت آپڑی۔ اس وقت جماعت کسی دوسرے امام کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھی۔ اس عدم تیاری کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عثمانؓ سے لوگوں کو وہ لگاؤ نہ پیدا ہوا جو ہونا چاہئے تھا۔ اس وجہ سے اسلام کی حالت بہت نازک ہو گئی۔ اور حضرت علیؓ کے وقت اور زیادہ نازک ہو گئی۔ تو محبت اور غضب ایسے جذبات ہیں جو انسان کو ایسا اکھیڑ پھینکتے ہیں کہ وہ کہیں کا کہیں جا پڑتا ہے۔ محبت کی مثال یہاں قادیان میں موجود ہے کہ ایک شخص کو محبت کے ذریعہ ابتلا آیا۔ گو خدا تعالیٰ نے اسے نجات دی۔ وہ مخلص احمدی ہے اور اس کی اولاد بھی مخلص ہے۔ میں اس واقعہ کی تفصیل نہیں بیان کرنا چاہتا۔ صرف اتنا ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ اس کے بچے کو جو کہ خود بھی مخلص ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کسی بات پر تھپڑ مارا۔ اس پر اس کے منہ سے یہ بات نکل گئی اچھے مسیح موعود ہیں اس وجہ سے اسے قادیان سے نکلنا پڑا۔ مگر خدا تعالیٰ نے اس ابتلا سے اسے نجات دی۔ اور وہ پھر قادیان میں آگئے۔ اگر اس وقت پوچھا جاتا تو یہی کہتے اور آج بھی یہی کہتے ہیں کہ تھپڑ کیا ہم تو مسیح موعود کے لئے جانیں قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مگر ایک وقت ایسا آیا جب کہ سب کچھ بھول گیا۔ اور صرف یہ یاد رہ گیا کہ میرا بیٹا ہے خدا تعالیٰ نے اس ابتلاء سے ان کو بچا لیا۔ مگر ہر شخص کی یہ کیفیت نہیں ہوتی بعض جن کے اندر اخلاص ہوتا ہے وہ ایسی غلطی کر کے بچ جاتے ہیں۔ مگر عام طور پر نوے فیصدی ایسے غلطی کر کے نہیں بچ سکتے۔ اس کی مثال پھٹے ہوئے کپڑے کی ہوتی ہے جو پورے طور پر جُڑ نہیں سکتا۔ کچھ رفو ہو سکتا ہے ٹکڑے مل سکتے ہیں مگر داغ ضرور باقی رہتا ہے اور اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک ایسا انسان اپنے اوپر نئی موت وارد نہ کرے۔ ایسے لوگوں میں سے دس فیصدی ایسے رفو ہو جاتے ہیں جن کا پتہ نہ لگے۔ اور بعض تو اپنے اخلاص اور محبت میں پہلے سے بھی بڑھ جاتے ہیں۔ مگر خطرہ یہی ہوتا ہے کہ ٹھوکر لگنے پر کم لوگ بچتے ہیں۔ ہاں جن میں اخلاص ہو۔ جن پر شیطان نے عارضی طور پر غلبہ پالیا ہو۔ جنہیں اس بات کا احساس ہو کہ اپنی غلطی کو مٹانا آسان نہیں ہے وہ اپنی غلطی مٹا سکتے ہیں۔ کیونکہ ایسے لوگوں کی اللہ تعالیٰ مدد کرتا ہے۔ انسان کے لئے رفو کرنا مشکل ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے مشکل نہیں

ہے۔ خدا تعالیٰ ایسا رفو کر دیتا ہے کہ کوئی پہچان ہی نہ سکے۔ چونکہ عام طور پر لوگ اتنی کوشش اور اتنی جدوجہد نہیں کرتے اس لئے ان کے زخم نہیں ملتے۔ تھوڑے لوگ کرتے ہیں اس لئے تھوڑوں کے ملتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ کا دروازہ ہر ایک کے لئے کھلا ہے۔ انسان کے لئے ضروری ہے کہ غضب اور محبت کے جذبات کو قبضہ میں رکھے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔ کسی سے اتنی محبت نہ کر کہ اگر تفرقہ ہو تو شرمندہ ہونا پڑے اور کسی سے اتنا بغض نہ کر کہ صلح ہو تب شرمندہ ہونا پڑے۔ پس خواہ محبت کے تعلقات ہوں یا بغض کے ان میں خطرہ ہوتا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات انسان اپنے آپ کو ایسے مقام پر پاتا ہے جہاں سے لوٹنا اس کے لئے مشکل ہوتا ہے۔

(الفضل ۱۸/ نومبر ۱۹۲۷ء)

1. بخاری کتاب المغازی حدیث الافک
2. تاریخ الخلفاء للسیوطی شہادت حضرت عمرؓ صفحہ ۱۳۳، ۱۳۴ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت آرام باغ کراچی